© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نظرات

گذشتہ دسمبر کی آخری تاریخوں میں ضلع بستی میں ایک صوبائی دینی تعلیمی کانفرنس مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی صدارت میں منعقد ہوئی تھی۔ اس کا افتتاح مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب کرنے والے تھے لیکن چونکہ وہ وقت کے وقت سخت بیمار اور صاحبِ فراش ہوگئے اس لئے ذمہ دار حضرات کی درخواست پر راقم الحروف نے اس کا افتتاح کیا اور اس تقریب سے ایک مختصر تقریر کی۔ یہ تقریر اور خطبۂ صدارت اور اس کانفرنس کی پوری روئیداد اتر پردیش کے اردو اخبارات میں مفصل شائع ہوچکی ہے اور انگریزی کے اخبار ٹائمز آف انڈیا میں بھی اس کا خلاصہ جو واقعی ہے شائع ہوچکا ہے، اس پوری روئیداد کے مطالعہ سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ کانفرنس کا مقصد ان حالات کا جائزہ لینا تھا جو عام طور پر اسکولوں میں غیر سکولر نظامِ تعلیم کی وجہ سے مسلمان بچوں اور بچیوں کو پیش آرہے ہیں اور پھر ان حالات کے تدارک و انسداد کی تجاویز پر غور و خوض کرنا تھا۔ یہ حالات کس درجہ تشویش انگیز ہیں اور مسلمان اُن کی وجہ سے کس درجہ بے چین ہیں؟ اس کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ اس کانفرنس میں دور دراز کے علاقوں سے ہر طبقہ اور ہر مکتبِ خیال کے مسلمان جمع ہوئے تھے جنھوں نے دو روز تک ان مسائل پر غور و خوض اور باہمی تبادلۂ خیالات کیا۔ اور اس سلسلہ میں آئندہ کام کرنے کا ایک خاکہ مختلف تجاویز کی شکل میں تیار کیا۔ اس سے انکار نہیں ہوسکتا کہ ایک جمہوری حکومت میں ہر شخص اور ہر جماعت کو اس بات کا قانونی حق حاصل ہے کہ اگر اُس کے کسی شہری حق پر کسی طرف سے دستبرد ہوتی ہے تو وہ حکومت سے اس کی تلافی و تدارک کا مطالبہ کرے۔ اس کا یہ مطالبہ اُس کے لئے اور خود حکومت اور قوم کے لئے ضروری بھی ہے اور مفید بھی۔ کیونکہ صرف یہی ایک طریقہ ہے جس کے ذریعہ جمہوریت اپنی اصل شکل و صورت میں قائم رہ کر نشو و نما پاسکتی اور مضبوط و توانا بن سکتی ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ ہندی اور انگریزی کے بعض اخبارات نے کانفرنس کی نسبت بہت افسوسناک غلط بیانی سے کام لیکر اُس کو فرقہ وارانہ رنگ دینے کی کوشش کی ہے اور کانفرنس کی تقریروں اور تجویزوں کو اُلٹ پلٹ کر پیش کیا ہے۔ اس سلسلہ میں لکھنؤ کا نیشنل ہیرلڈ جو قوم پرور اور کانگریسی اخبار ہونے کا مدعی ہے سب سے بازی لے گیا ہے چنانچہ اُس نے ۱۲ جنوری کی اشاعت میں ایک سہ کالمی مضمون "مسلمان اور اُن کے علماء اور ملّا" کے عنوان سے شائع کیا۔ اس مضمون کا مفصل اور مدلّل جواب "مدینہ" بجنور میں نکل چکا ہے اس لئے ذیل میں اس مضمون کے صرف اُسی حصہ پر گفتگو کرنی ہے جو کانفرنس سے متعلق ہے

راقم الحروف کی تقریر کا ماحصل صرف دو چیزیں تھیں، ایک یہ کہ جو تعلیم مذہب اور اخلاق کی تعلیم کے بغیر اور خدا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے محروم ہوگی وہ نہ صرف ناقص بلکہ سوسائٹی کے لئے تباہ کن ہوگی۔ اس عام کلیہ کو بیان کرنے کے بعد کہا تھا کہ جہاں تک مسلمان بچوں کا تعلق ہے اُن کے لئے دینی تعلیم اس لئے ضروری ہے کہ اس کے بغیر وہ مسلمان نہیں رہ سکتے' اور اُن کے اس طرح اسلام سے محروم ہوجانے کا نتیجہ جہاں اُن کے حق میں خسرانِ اُخروی کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ اس کا اثر یہ بھی ہوگا کہ وہ اپنے ملک کے بہترین شہری نہیں بن سکیں گے۔ بس پوری تقریر کا حاصل صرف اس قدر تھا اور انہیں دو باتوں کو کسی قدر پھیلا کر بیان کیا گیا تھا۔ مولانا ابوالحسن علی نے ان دو باتوں کے علاوہ خطبۂ صدارت میں نصاب کی چند کتابوں کے حوالے سے یہ بھی بتایا تھا کہ ایک طرف تو سیکولرزم کا دعویٰ ہے اور اس کی وجہ سے کہیں اسلام کا ذکر تک نہیں ہے اور دوسری جانب کتابوں میں ہندوؤں کی مذہبی روایات اور اُن کے معتقدات کا چرچا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ جو مسلمان بچے ان کتابوں کو پڑھیں گے اُن کے دل و دماغ پر اسلام کی تو پرچھائیں تک نہ پڑیگی اور ہندوؤں کی مذہبی روایات و معتقدات کے نقوش اُن کے دماغوں میں جاگزیں ہوجائیں گے۔" اب کوئی بتلائے کہ اس میں کون سی بات فرقہ وارانہ ہے' نامعقول ہے اور اس سے کس طرح ہندو مذہب یا ہندو کلچر کی توہین و تنقیص کا پہلو نکلتا ہے۔

نامہ نگار کو شکایت ہے کہ راقم الحروف نے یہ کہا کہ اسلام چونکہ انسان کو مکمل اور صالح بناتا ہے اس لئے اسلامی تعلیمات ضروری ہیں اور نیز یہ کہ اسلام مذاہبِ عالم میں ایک اہم پوزیشن کا مالک ہے۔ اس کے بعد نامہ نگار لکھتا ہے کہ ایک سیکولر گورنمنٹ سے یہ توقع کرنا پاگل پن ہے کہ وہ یونیورسٹیوں کے نصابِ تعلیم میں اسلام کی تعلیمات کو شامل کرلے۔" جہاں تک پہلے جز کا تعلق ہے تو اس میں شبہ نہیں کہ ایک راقم الحروف نہیں ہر مسلمان کا یہی عقیدہ ہے اور یہی عقیدہ ہونا چاہیئے اور پھر صرف اسلام کی اور مسلمانوں کی تخصیص نہیں بلکہ ہر مذہب کے انسان کا یہ طبعی حق ہے کہ وہ اپنے مذہب کو سب مذاہب پر ترجیح دے' ورنہ اس کے کوئی معنیٰ نہیں ہیں کہ وہ صرف اپنے مذہب پر ہی کیوں عامل ہے اور اسے چھوڑ کر کوئی دوسرا مذہب کیوں اختیار نہیں کرلیتا لیکن اپنے مذہب کو ترجیح دینے سے دوسرے مذہب کی توہین کیسے لازم آئی؟ یہ ایک عجیب منطق ہے جو کسی کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ اگر کوئی شخص اپنی اولاد کو' اپنے ملک کو' اپنی گورنمنٹ کو سب سے زیادہ عزیز رکھتا ہے' اُن کے ساتھ سب سے زیادہ محبت اور عزت و احترام کا معاملہ کرتا ہے تو اس سے کیا یہ لازم آتا ہے کہ یہ شخص دوسروں کی اولاد' اُن کے ملک اور اُن کی گورنمنٹ کی توہین کرتا ہے۔

رہ گیا دوسرا جز! تو راقم الحروف نے یہ ہرگز نہیں کہا کہ گورنمنٹ کو یونیورسٹیوں اور کالجوں میں اسلام کی تعلیم کا بندوبست کرنا چاہیئے بلکہ کہا یہ تھا کہ چونکہ مذہب اور اخلاق کی تعلیم کے بغیر کیرکٹر نہیں بنتا اور افرادِ صالح پیدا نہیں ہوتے اس لئے اوّل تو خود حکومت کو چاہیئے کہ ہر مذہب کے بچوں کے لئے اُن کے مذہب کی تعلیم کا انتظام کرے اور اُس کا یہ فعل سیکولرزم کے خلاف نہیں ہوگا۔ کیونکہ جیسا کہ نائب صدر جمہوریہ اور دوسرے کانگریسی اور حکومت کے بعض ذمہ دار حضرات اپنی تقریروں میں بار بار کہہ چکے ہیں' سیکولرزم کے معنیٰ لامذہبیت نہیں ہیں بلکہ اس کے معنیٰ کسی خاص مذہب کی طرفداری نہ کرنا اور سب کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ یکساں برتاؤ کرنا ہے، اور اگر سیکولرزم کی کسی خاص تعریف کی وجہ سے حکومت ایسا نہیں کرسکتی تو اُسے چاہیئے
کہ نصاب تعلیم کو بالکل سیکولر رکھے یعنی اس میں نہ اسلام کی کوئی بات ہو اور نہ ہندو مذہب کی۔ اس صورت میں مسلمانوں
کا اپنا فرض ہوگا کہ وہ اپنے بچوں کے لئے دینی تعلیم کا باقاعدہ انتظام کریں اور جگہ جگہ مکتب کھولیں"۔ ملاحظہ فرمایئے بات
کیا کہی گئی تھی اور نامہ نگار نے اُسے کس طرح توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے۔ اخبار نیشنل ہیرلڈ اور قومی آواز دونوں ایک ہی
ادارہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ قومی آواز کے لائق ایڈیٹر حیات اللہ صاحب انصاری مولوی ملا نہ ہونے کے باوجود کانفرنس
میں شروع سے آخر تک شریک رہے اور ایک اخباری نامہ نگار کی حیثیت سے نہیں بلکہ ذمہ دار اور باا ثر شریک کی حیثیت سے
اس لئے کیا ایک ادارہ کے لئے یہ بات افسوسناک نہیں ہے کہ اُس کے اُردو اخبار میں ایک کانفرنس کے متعلق جو رپورٹ چھپے اُس
کے انگریزی اخبار میں اُس رپورٹ کے برخلاف دوسری باتیں بیان کی جائیں اور اُن کی بنیاد پر غلط تاثرات کی ایک
عمارت کھڑی کی جائے

عجیب اتفاق ہے۔ اور خوشی کی بھی بات ہے۔ کہ اس اثنا میں حکومت ہند نے مذہبی اور اخلاقی تعلیم سے متعلق
جو کمیٹی مقرر کی تھی اُس کی رپورٹ شائع ہو چکی ہے۔ اس رپورٹ میں کم و بیش وہی باتیں کہی گئی ہیں جو مذہب
اور روحانیت کی قدروں کو پہچاننے والے کہہ رہے ہیں اور جن کو راقم الحروف نے اپنی افتتاحیہ تقریر کے شروع
میں کہا تھا۔ چنانچہ رپورٹ میں بالکل صاف کہا گیا ہے کہ:۔ "بہت سی خرابیاں جنمیں آجکل ہماری تعلیم کی دنیا اور
سوسائٹی مبتلا ہے اُن کا اصل سبب یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں پر مذہب کے بنیادی اصولوں کی پہلے جو گرفت تھی وہ
اب آہستہ آہستہ غائب ہوتی جا رہی ہے"۔ پھر کمیٹی نے صرف یہی نہیں کیا کہ مذہب کے رشتہ سے روحانی اور اخلاقی
تعلیم کی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے یونیورسٹی میں پوسٹ گریجویٹ کے درجہ تک اس تعلیم کو جاری کرنے کی سفارش
کی ہے بلکہ ساتھ ساتھ ان مادی افکار و نظریات کی بھی سخت مذمت کی ہے جو غیر ملکی سکہ ہونے کے باوجود ہمارے
ملک کے نوجوانوں میں قبول عام حاصل کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہمارے نیشنل ہیرلڈ کے نامہ نگار کو یہ دیکھ کر
بڑی مایوسی ہوگی کہ "مسلمانوں کے علماء اور ملّا" جن کو اُس نے بڑا خطرناک اور واقعہ کے بالکل خلاف،
تقسیم ہند کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔ انہیں مولویوں اور ان کے طرزِ قدیم کے مدرسوں کو کمیٹی کی رپورٹ میں سراہا
گیا ہے اور حکومت سے سفارش کی گئی ہے کہ ان مدرسوں کی حوصلہ افزائی کرے۔

نامہ نگار کو معلوم ہونا چاہیئے کہ آج کل کی دنیا علوم و فنون کی دنیا ہے جس میں مذہبی تنگ نظری، نسلی اور ملکی
تعصبات فنا ہونے جا رہے ہیں اور حقائق پر خالص علمی نقطۂ نظر سے غور کرنے کا مذاق عام ہوتا جا رہا ہے اس لئے
اسلام کے نام پر جو بات کہی جائے اس کو فرقہ پرستی کہہ کر یا اس سلسلہ میں تقسیم ہند کا حوالہ دیکر نہ کسی سنجیدہ فکر انسان
کو دھوکہ دیا جا سکتا ہے اور نہ مسلمانوں کو مرعوب اور خوفزدہ بنایا جا سکتا ہے۔

برو ایں دام بر مرغِ دگر نہ
کہ عنقا را بلند ست آشیانہ

© rasailojaraid.com